معاشی عدل قرآن وسنت کی روشنی میں: ایک تجزیاتی وتقابلی مطالعہ

فرید شریف فاروقی*
غازی عبدالرحمن قاسمی**

Abstract

The perennial availability of justice and fair play are inevitable to maintain the system of this world in order. It is every individual's birth right to be treated fairly, and denial to it can lead to detrimental consequences. Every sector of life, be it social religious, political or economic, holds a vital significance of justice within it. In this scenario, the importance of economic justice cannot be overlooked or replaced. The unequal distribution of wealth in a society can instigate anarchy that can divide society into sections, and division always comes with unearned troves in form of chaos, hatred and misery. Keeping the importance of economic justice in view, Islam has introduced certain principles to offer comfort to its followers in individual and collective dealings. Observing these principles comprehensive benefit can be secured.

Keywords: Economic, Justice, Islamic Teaching, Analytical Study

اس دنیا کے نظام کو بہتر اور صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے عدل وانصاف کا قیام ضروری ہے اور اگر اس سے منہ موڑ لیا جائے تو معاشرتی ، سماجی ، معاشی ، مذہبی اور سیاسی زندگی دشوار ترین ہو جائے گی اور ہر طرف انارکی پھیل جائے گی۔ دنیاوی نظام میں ایک دوسرے کے حقوق کے تحفظ اور فرائض کی ادائیگی کے لیے نظام عدل وانصاف متعارف کرایا گیا ہے۔ اسی پس منظر میں معاشی عدل وانصاف بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جس معاشرہ میں معاشی طور پر عمومی کمزوری ہو صرف امیر طبقہ ہی دولت پر قابض ہو جائے اور غرباء دن بدن مشقت وتکلیف کی بھٹی میں جلتے رہیں تو وہ معاشرہ زیادہ دیر تک اپنا استحکام اور وجود نہیں سنبھال سکتا اس لیے اسلام نے دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح معاشیات کے حوالہ سے بھی زریں اصول فراہم کیے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انفرادی اور اجتماعی مفادات کا حصول یقینی بنایا جاسکتا ہے۔

---

* پرنسپل، گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ کالج، ملتان۔
** لیکچرر، گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ کالج، ملتان۔

مقالہ پر بحث سے قبل بنیادی الفاظ معاشیات اور عدل (Key Words) کی مختصر سی وضاحت کی جاتی ہے۔

معاشیات کا مفہوم:

معاشیات کا لفظ عیش سے بنا ہے جس کے معنی ہے زندگی گزارنا۔اس کو انگریزی میں Economics کہتے ہیں اور عربی زبان میں اس کا متبادل الاقتصاد ہے۔اور اصطلاح میں اس کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔علامہ ابن خلدونؒ (م۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

اعلم أنّ المعاش هو عبارة عن ابتغاء الرّزق والسّعي في تحصيله وهو مغفل من العيش. كأنّه لمّا كان العيش الّذي هو الحياة لا يحصل إلّا بهذه جعلت موضعا له على طريق المبالغة[1]

"جان لیجئے کہ معاش رزق ڈھونڈے کا اور اسے حاصل کرنے کی جدوجہد کا نام ہے لیکن یہ لفظ، لفظ عیش کا اسم ظرف ہے چونکہ عیش (زندگی) اسی پر موقوف ہے اس لیے مبالغہ کے طور پر اس کا نام محل زندگی رکھ دیا گیاہے۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م-۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

وهو الحكمة الباحثة عن كيفية إقامة المبادلات والمعاونات والإكساب على الارتفاق الثاني[2]

"ارتفاق ثانی کے باب میں افراد معاشرہ کے اشیاء کے باہمی تبادلہ، ایک دوسرے سے معاشی تعاون اور ذرائع معیشت و آمدن کی حکمت سے بحث کرنے کا نام علم معیشت ہے۔"

آدم سمتھ (م-۱۷۹۰ء) کے مطابق:

"معاشیات ایسا علم ہے جو پیدائش دولت، صرف دولت، تقسیم دولت اور تبادلہ دولت پر بحث کرتا ہے۔[3]

---

[1] عبدالرحمن بن محمد، ابوزید، المقدمہ، ابن خلدون، (بیروت: دارالفکر، ۱۴۰۸ھ)، ۱: ۴۷۹

[2] الدھلوی، شاہ ولی اللہ، **حجۃ اللہ البالغہ**، (القاہرہ: دارالکتب الحدیثہ، س ن)، ۹۰

[3] آدم سمتھ (Adam Smith) ایک برطانوی ماہر معاشیات اور فلسفی تھا۔۱۷۲۳ء اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔گلاسگو یونیورسٹی میں فلسفے کا استاد رہا۔اس کی وجہ شہرت اس کی کتاب The Wealth of Nations ہے۔جس میں اس کے معاشی نظریات تفصیل سے موجود ہیں۔

الفریڈ مارشل (م-۱۹۲۴ء) کے نزدیک:

"معاشیات میں انسان کے ان اعمال کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کا زندگی کے روزمرہ کے معاملات سے تعلق ہوتا ہے اس میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی مسائل کے اس حصہ کا جائزہ لیا جاتا ہے جس کا اس بات سے گہرا تعلق ہے کہ انسان خوشحال زندگی کے مادی لوازمات کس طرح حاصل کر سکتا ہے اور انہیں کس طرح خرچ کرتا ہے پس ایک طرف تو یہ دولت کا علم ہے تو دوسری طرف خود انسانی زندگی کے ایک پہلو کا۔"[4]

مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"اس سے مراد وسائل کو اس طرح استعمال کرنا کہ زیادہ سے زیادہ انسانی ضروریات پوری ہو سکیں۔ علم الاقتصاد اور اکنامکس کا علم کہلاتا ہے۔"[5]

الغرض علم معاشیات ایک معاشرتی علم ہے اور معاشرہ میں رہنے والے افراد کے انفرادی واجتماعی مسائل کا مطالعہ کرتا ہے یعنی اس چیز کا تجزیہ کرتا ہے کہ ایک قوم جس کی ضروریات بیشار ہیں لیکن اس کے ذرائع محدود ہیں، ان محدود ذرائع سے زیادہ سے زیادہ مسائل کیسے حل کیے جا سکتے ہیں:

عدل کا مفہوم:

لغت کے مشہور امام ابن منظور افریقیؒ (م-۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

العدل: ما قام في النفوس أنه مستقيم، وهو ضد الجور[6]

"جس چیز کو انسانی طبائع سیدھا اور برابر سمجھیں وہ عدل ہے اور اس کی ضد ظلم ہے۔"

---

[4] الفریڈ مارشل کی اس موضوع پر کتاب کا نام **Principle of Economics** ہے جس میں انہوں نے مفصل بحث کی ہے ملاحظہ کی جا سکتی ہے چونکہ موضوع کا تعلق اسلامی معاشی عدل سے ہے اس لیے مغربی مفکرین کے ہاں جو معاشیات کا مفہوم ہے ان کو ذکر کیا گیا ہے۔

[5] تقی عثمانی، مفتی، **اسلام اور جدید معیشت وتجارت**، (کراچی: ادارۃ المعارف، س ن)، ۲۰

[6] افریقی، ابن منظور، محمد بن مکرم، **لسان العرب**، (بیروت: دار صادر، ۱۴۱۴ھ)، ۱۱: ۴۳۰

امام شریف الجرجانیؒ(م-۸۱۶ھ)لکھتے ہیں:

العدل: عبارة عن الأمر المتوسط بين طرفي الإفراط والتفريط[7]

"عدل اس درمیانی معاملہ کو کہتے ہیں جو افراط اور تفریط کے درمیان واقع ہوتا ہے۔"

عدل کا ہم معنی لفظ انصاف ہے جو قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا بلکہ اس کے مفہوم کے لیے قسط کا لفظ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے۔[8]

معاشی عدل کا مفہوم:

معاشی عدل درحقیقت معاشرتی عدل کا ہی ایک حصہ ہے جس سے مراد معاشرہ میں رہنے والے ہر فرد کو اس کی اہلیت اور صلاحیت کے مطابق معاشی میدان میں کام کرنے کی نہ صرف اجازت ہو بلکہ ان کے لیے ایسے مواقع اور مقابلہ کی آزاد فضا قائم ہو جس میں ہر شخص حصہ لے سکے اور ان کی استعداد اور کام کے مطابق انہیں معاوضہ دیا جائے۔ایسا نہ ہو کہ دولت صرف چند ہاتھوں میں گردش کرتی رہی اور معاشرہ کی اکثریت بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ترس جائے۔

معاشی عدل کے قیام اور تفہیم کے لیے دنیا میں مروجہ نظاموں کا مطالعہ ضروری ہے کہ وہ اس بارے میں کیا اقدامات پیش کرتے ہیں۔

اس وقت دنیا میں جتنے بھی معاشی نظام رائج ہیں کم و بیش الفاظ کے ساتھ ان کے ہاں معاشی عدل کا یہی مفہوم ہے اگرچہ ان کے اقدامات سے اس نظریہ کی مکمل تائید نہیں ہوتی جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

معاشی عدل کے حوالہ سے نظریات:

معاشی عدل کیسے قائم ہو سکتا ہے اس کے لیے کن عوامل کی ضرورت ہے اس حوالہ سے اس وقت تین قسم کے نظریات ہیں۔ان پر بحث سے قبل یہ مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ کوئی بھی معیشت ہو اسے چار قسم کے مسائل سے واسطہ پڑتا ہے اور ان کے صحیح حل پر ہی معاشی عدل کی کامیابی مضمر ہے۔

---

[7] الشریف الجرجانی، علی بن محمد، **التعریفات**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ)، ا: ۱۴۷

[8] المائدہ: ۸،۴۲

1۔ ترجیحات کا تعین: (Determination of Priorities)

انسانی مسائل زیادہ اور وسائل اس کے مقابلہ میں بہت کم ہیں اب ان وسائل کو صحیح استعمال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسانی اصل ضروریات اور ترجیحات کا صحیح رخ پر تعین کیا جائے تاکہ معاشی نظام میں بہتری ہو۔

2۔ وسائل کی تخصیص: (Allocation of Resources)

جتنے بھی وسائل جو حصول دولت میں معاون ہیں۔ ان کو کس کام میں صرف کرنا ہے مثلا کہاں زمین کو کاشت کاری کے لیے استعمال کرنا ہے اور کہاں صنعت وحرفت کے لیے کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرنے کی ضرورت ہے وغیرہ یہ وسائل کی تخصیص کہلاتا ہے اگر ان کا بھی صحیح انتخاب نہ کیا جائے تو بھی معاشی بحران پر قابو نہیں پایا جاسکتا۔

3۔ آمدنی کی تقسیم: (Distribution of Income)

ترجیحات کے صحیح تعین اور وسائل کی درست تخصیص سے جو دولت حاصل ہو گی اسے اس طرح تقسیم کرنا کہ اس کام میں جتنے بھی افراد شریک تھے ان کو صحیح خطوط پر ان کا جائز حصہ ملنا چاہیے یہ آمدنی کی تقسیم کہلاتا ہے ظاہر ہے جب تک آمدنی کی منصفانہ اور عادلانہ تقسیم نہیں ہو گی اس وقت تک معاشی عدل بھی ممکن نہ ہو گا۔

4۔ ترقی: (Development)

آمدنی کا حصول اور وسائل میں اضافہ کے لیے ضروری ہے کہ جو چیز پیدا کی جارہی ہے اس میں مقدار اور معیار کے لحاظ سے ترقی ہو اگر ایسا نہ ہوا تو بھی معاشی عدل میں توازن نہیں رہے گا۔

ان چاروں مسائل کا حل کس طرح ممکن ہے اس حوالہ سے موجودہ معاشی نظاموں کی طرف بڑھتے ہیں:

1۔ سرمایہ دارانہ نظام:

اس وقت دنیا کے رائج معاشی نظاموں میں ایک مشہور اور معروف نظام سرمایہ دارانہ (Capitalism) ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے تعارف میں ماہرین نے مختلف تعریفات کی ہیں۔

جاسف اے شمپیٹر (Jesep A.Schumpeter) جس کی رائے کو معیشت دانوں کے حلقہ میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے اس نے نظام سرمایہ داری کی توضیح اس کی طرح کی ہے:

کسی معاشرے کو اس وقت سرمایہ درانہ معیشت کا حامل معاشرہ کہا جاتا ہے جب کہ اس نے اپنے معاشی لائحہ عمل کو نجی کاروباری افراد کی رہنمائی کے سپرد کر رکھا ہو اس کے نتیجے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت میں اولاً غیر نجی پیداواری ذرائع مثلاً زمین، کانیں، صنعتی پلانٹ اور ان سے متعلقہ دیگر ساز و سامان وغیرہ نجی ملکیت ہوتے ہیں ثانی ذاتی طور پر عمل میں لائی جانے والی پیدوار کا اولین مقصد نجی منافع کمانا ہوتا ہے۔[9]

انسائیکلوپیڈیا امریکانو (Encyclopaedia Americano) کے الفاظ یہ ہیں:

سرمایہ دارانہ معیشت، معاشی نظام کی ایک ایسی قسم ہے جس میں سرمایہ نجی ملکیت میں ہوتا ہے اور سرمایہ کار اپنے اقتصادی کاروبار کی بدولت حصول منافع کی خاطر اسے جس طرح چاہیں استعمال میں لانے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔[10]

اس نظام کے بنیادی اصول میں شخصی ملکیت کا حق، آزادی سعی کا حق، ذاتی منافع کا محرک عمل ہونا، مقابلہ اور مسابقت، اجیر اور مستاجر کے حقوق کا فرق، ارتقاء کے فطری اسباب پر اعتماد، ریاست کی عدم مداخلت ہیں۔[11]

سرمایہ دارانہ نظام میں معیشت کے مذکورہ بنیادی چار مسائل کے حل کے لیے جو تفصیل بیان کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ بازار کی قوت (Market Forces) رسد اور طلب ہیں۔ (Demand & Supply) ان کے اتار چڑھاؤ سے ہی بازار کے نرخ بڑھتے اور کم ہوتے ہیں اس لیے عاملین پیدائش، زمین، محنت، سرمایہ اور آجر یا تنظیم ان سے ہی مربوط ہونگے اور علی الترتیب ان مسائل کا حل رسد اور طلب کے ضابطہ سے کیا جائے گا کہ اگر ان کی طلب زیادہ اور رسد کم ہو قیمت بڑھ جائے اور کم ہونے کی صورت قیمت گھٹ جائے گی۔ اور مزید کہ ہر فرد کو حصول دولت کے لیے کھلی چھوٹ دیدی جائے ہر شخص اپنی ذاتی ملکیت میں تمام اشیاء رکھ سکتا ہے۔ اور حکومت کسی قسم کی مداخلت نہ کرے جب ہر شخص کو عام آزادی ہو گی تو معاشی عدل قائم ہو جائے گا۔

---

[9] محمد نعیم صدیقی، پروفیسر ڈاکٹر، **اسلام اور جدید معاشی تصورات**، (لاہور: مکتبہ دانیال، ۲۰۱۵ء)، ۸۷

[10] محمد نعیم صدیقی، پروفیسر ڈاکٹر، **اسلام اور جدید معاشی تصورات**، ۸۷

[11] ابوالاعلی مودودی، سید، **اسلام اور جدید معاشی نظریات**، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹید، ۱۰۵۹ء)، ۲۱۔۲۷ مزید تفصیلات کے لیے اس کتاب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

2۔ اشتراکی نظام:

اشتراکیت کی تعریف میں مفکرین کے درمیان اختلاف آراء ہیں تاہم بات کی توضیح کے لیے دو تعریفیں درج ذیل ہیں:

ولیم این لاؤکس (William N.Loucks) اور ولیم جی وائٹنی (William G.Whiteney) نے اشتراکیت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

سوشلزم سے مراد ایسی تحریک ہے جو پیمانہ کبیر پر پیدائش دولت عمل میں لانے والی ہر قسم کی اشیاء سرمایہ کو انفرادی انتظامیہ کی تحویل یا ملکیت میں دینے کی بجائے مجموعی طور پر پورے معاشرے کی ملکیت میں دینا چاہتی ہے تاکہ بڑھی ہوئی قومی آمدنی کی مساویانہ تقسیم عمل لائی جاسکے لیکن اس طرح کہ لوگوں کے انفرادی جذبے اور اشیاء صرف کرنے کی آزادی پر کوئی حرف نہ آنے پائے۔[12]

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (Encyclepaedia Britanica) کے مطابق:

سوشلزم بنیادی طور پر ایک ایسا نظریہ یا تحریک ہے جس کا نصب العین عمومی حق ملکیت کی بدولت پیداواری وسائل اور تبادلہ دولت کو اجتماعی کنٹرول میں لیتے ہوئے قوم کو اجتماعی طور پر اس طرح منظم کرنا ہے کہ عام لوگوں کے مفادات کا تحفظ ممکن ہوسکے۔[13]

اس نظام کے بنیادی اصول میں، اجتماعی ملکیت، منصوبہ بندی، اجتماعی مفاد، آمدنی کی منصفانہ تقسیم کا کہا گیا تھا۔[14]

اشتراکی نظام (Socialism) درحقیقت سرمایہ دارانہ نظام کی ضد ہے جس کی ساری بنیاد اس بات پر ہے کہ معاشی معاملات کو محض رسد اور طلب کے حوالہ کر دینا نہایت خطرناک ہے مزید یہ کہ نہ ہی کوئی ایسا فارمولا یا پیمانہ موجود ہے کہ جس چیز کی جتنی ضرورت ہو وہ اتنی ہی مقدار میں مارکیٹ میں لائی جاسکے بسا اوقات ایک چیز کی طلب کو دیکھ کر بہت سے لوگ اس چیز کو مارکیٹ میں لے آتے ہیں جس سے اس قدر رسد بڑھ جاتی ہے کہ طلب ہی ختم یا کم ہو جاتی ہے جس سے واجبی اخراجات بھی پورے نہیں ہوتے اس لیے تمام وسائل کو

---

[12] محمد نعیم صدیقی، پروفیسر ڈاکٹر، **اسلام اور جدید معاشی تصورات**، ۹۸

[13] ایضاً

[14] مفتی تقی عثمانی، **اسلام اور جدید معیشت و تجارت**، (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۱۶ء)، ۳۴،۳۵

حکومت اپنے قبضہ میں لے کر خود منصوبہ کرکے فیصلہ کرے کہ ترجیحات کا تعین، وسائل کی تخصیص، آمدنی کی تقسیم اور ترقی کیسے کرنی ہے۔

دونوں نظاموں کا جائزہ:

دونوں نظام اگرچہ انسانیت کی فلاح اور غریبوں کی مدد کے حوالہ سے سامنے آئے تھے اور یہی ان کا نعرہ تھا کہ معاشی عدل ہو مگر ایسا ہوا نہیں اس لیے کہ سرمایہ دارانہ نظام نے جب ہر شخص کو کھلی چھوٹ دی تو اخلاقیات دم توڑ گئیں، ہر شخص مال و دولت کے حصول کے لیے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے دائرہ کو بالکل یکسر بھلا بیٹھا اور ایسے اقدامات بھی کیے گئے جو معاشرتی زندگی کی تباہی و نقصان کا باعث بنے مثلا جوا، سود، بے راہ راوی، منشیات فروشی وغیرہ احساس ہمدردی، تعاون وتناصر اور خیر خواہی کی جگہ محض مادہ پرستی اور صرف پر تعیش زندگی کے حصول کے مقصد نے لے لی جو کہ انسانیت کے لیے نہایت خطرنات صورتحال ہے۔

اور دوسری طرف اشتراکی نظام میں تو مزدور اور غریب طبقہ کا اس قدر استحصال ہوا کہ ان کی محنت اور خون پسینہ سے تیار ہونے والی مصنوعات کی آمدنی سے انہیں اتنا بھی حصہ نہیں ملا کہ وہ خوشحال زندگی تو درکنار الٹا بنیادی ضروریات کو ہی پورا کرسکیں۔ دوسرا جب حکومت نے سب کچھ اپنے قبضہ میں لے لیا تو بھی لوگوں کا کام میں انہماک اور دلچسپی برائے نام رہ گئیں کہ تنخواہ تو حکومت نے ہی دینی ہے جتنی مرضی محنت کرلیں ہم اپنی تحویل میں تو وسائل اور دولت کو نہیں رکھ سکتے اس طرح ان کی صلاحیتیں بھی دم توڑ گئیں اور اہم بات یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام میں چند جاگیر دار یا سرمایہ دار رسد اور طلب کی آڑ میں غریب طبقہ پر ظلم کرسکتے تھے مگر اس نظام میں جب منصوبہ بندی حکومت کا ہی اختیار ٹھہرا تو اس کا منفی پہلو یہ تھا کہ حکومت میں مشاورت اور پالیسی بنانے والے بھی تو انسان ہیں اگر اس حوالہ سے پالیسی غلط بنتی تو اس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا یہی وجہ ہے کہ اشتراکیت چند سالوں بعد ہی اپنا زور شور اور دم توڑ گیا۔[15]

---

[15] اس موضوع پر مولانا سید ابو الاعلی مودودی، حضرت مفتی تقی عثمانی، پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی نے اپنی موضوع سے متعلقہ کتب میں مفصل اور سیر حاصل بحثیں کی ہیں جن کا پہلے حوالہ آچکا ہے قارئین قارئین تفصیلات کے لیے اس کا مطالعہ کرسکتے ہیں یہاں ہم نے موضوع سے متعلقہ چند مباحث کو اختصار کے ساتھ اپنے الفاظ اور انداز میں پیش کیا ہے۔

3۔ اسلامی نظام:

اسلام نے بھی معاشی استحکام اور بہتری کے حوالہ سے ہدایات دی ہیں اور معاشی طور پر مضبوط ہونا شرعا مطلوب ہے۔ معیشت کی اہمیت کا اندازہ اس دعا سے لگایا جاسکتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے لیے جو دعا مانگی تھی اس میں قیام امن کے بعد ان کی معیشت کو بہتر بنانے کی درخواست کی گئی تھی۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ[16]

"اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اسے امن کا شہر بنادے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے۔"

چنانچہ معاشی نظم وعدل کے قیام کے لیے اسلام کے پیش کردہ معاشی اصول اور اقدامات کی پاسداری از حد ضروری ہے اسی سے معاشرہ میں استحکام پیدا ہو سکتا ہے قرآن وسنت کا مطالعہ اور خلفاء راشدین کا طرز عمل اس بارے میں ہمارے لیے مشعل راہ ہے جس سے استفادہ کرتے ہوئے دور جدید میں معاشی حوالہ سے درپیش مشکلات کا حل ممکن ہے۔

اس حوالہ سے بنیادی بات جو قابل غور ہے وہ یہ کہ بنیادی ضروریات تو تمام انسانوں کی ایک جیسی ہوتی ہیں تاہم انفرادی ضروریات انسان کے ذوق، قابلیت اور ترجیحات کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں۔ انسان کی ضروریات کیسی بھی ہوں وسائل کے ذریعے سے پوری ہوتی ہیں کیونکہ یہ دنیا وسائل اور اسباب کی دنیا ہے، اسباب اور وسائل کے بغیر اس دنیا میں زندگی بسر کرنا ممکن نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے ضابطے کے خلاف ہے۔ ایک وقت آئے گا جب انسانی زندگی جنت میں وسائل و اسباب کی محتاج نہیں ہوگی اور وہاں انسان کو اپنی خواہشات وضروریات کو پورا کرنے کے لیے محنت ومشقت کا راستہ اختیار نہیں کرنا پڑے گا۔ لیکن اس دنیا میں بہر حال اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانی زندگی کو محنت ومشقت اور وسائل و اسباب کے ساتھ وابستہ کیا ہے، یوں نسلِ انسانی کے تمام لوگ کسی نہ کسی درجے میں اسباب اختیار کر کے ہی دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں اور اسی کی تعلیم دی گئی ہے۔

---

[16] البقرۃ:۱۲۶

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى[17]

"اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔"

اس لیے انسان کو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھنا چاہیے اور نہ لوگوں کے مال پر نظر رکھنی چاہیے بلکہ وہ اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کرے۔ چنانچہ حدیث میں بھی حلال روزی کی طلب کو فرض اور لازم قرار دیا گیا ہے۔[18]

جب معاشی میدان سب کے لیے کھلا ہے تو قانون فطرت یہ ہے کہ جو شخص جتنی محنت کرے گا وہ اتنا کامیاب ہو گا اور اگر کوئی اس میدان میں دوسروں سے آگے نکل جاتا ہے تو یہ اللہ کا فضل ہے لیکن محنت اور کوشش سب پر لازم ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ[19]

"اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی۔"

نسلِ انسانی میں انبیاء کرام علیہم الصلواۃ والتسلیمات سے زیادہ متوکل اور ان سے زیادہ دنیا سے بے رغبتی رکھنے والا کوئی دوسرا طبقہ نہیں ہے لیکن حضرات انبیاء کرامؑ نے بھی زندگی کے وسائل واسباب اختیار کیے۔ خود نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں حسب ضرورت محنت مزدوری بھی کی، بکریاں بھی چرائیں اور تجارت بھی کی اس لیے ہر شخص کو اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق کوشش کرنی چاہیے اور موجود اسباب کو اختیار کرنا چاہیے۔ اسلام نے رسد اور طلب کا بالکلیہ انکار نہیں کیا اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔

معاشی عدل قرآن کریم کی روشنی میں:

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر جملہ معاملات اور بالخصوص معاشیات میں اعتدال سے واقتصاد سے کام لینے کا حکم دیا ہے اور ایسی معاشرتی اقدار متعارف کرائیں جن سے معاشی عدل میں استحکام پیدا ہوا۔ اسلامی معاشی نظام میں جو ہدایات اور پابندیاں وہ تین قسم کی ہیں:

---

17 النجم:۳۹

18 الطبرانی، سلیمان بن احمد، ابو القاسم، **المعجم الاوسط**،(القاہرہ: دار الحرمین، س ن)،۸: ۲۷۲

الطبرانی، سلیمان بن احمد، ابو القاسم، **المعجم الکبیر**،(القاہرہ: مکتبہ ابن تیمیہ، س ن)،۱۰: ۷۴

19 الاعراف:۱۰

قرآن کریم کی پابندیاں:

معاشی عدل کے قیام کے لیے قرآن کریم نے بہت سی پابندیاں عائد کیں جن پر عمل پیرا ہو کر مطلوبہ نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ ان میں کچھ ایجابی اور کچھ سلبی ہیں۔ یعنی کچھ کام کرنے اور کچھ سے اعراض کا حکم ہے۔ پہلے سلبی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

❶ مال ناحق کھانے سے ممانعت:

کسی فرد کی ملکیت میں موجود مال کو بلا اجازت اور ناحق طریقے سے حاصل کرنا ظلم وزیادتی کے زمرہ میں آتا ہے اور یہ چیز معاشی استحکام میں باعث رکاوٹ ہے اور اگر اس کا چلن عام ہو جائے تو معاشرہ میں ہر طرف بگاڑ وفساد رونما ہوگا جس کا نتیجہ افتراق وانتشار اور جھگڑوں تک مفضی ہوگا اس لیے اللہ تعالی نے واشگاف انداز میں فرمایا:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [20]

"اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ، اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس سے غرض سے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو۔"

پانچویں صدی ہجری کے مشہور مفسر ومحدث امام محسی السنہؒ (م-510ھ) لکھتے ہیں:

"کہ باطل طریقے سے مال کھانے کی ممانعت کے دائرہ کار میں ہر وہ مال آتا ہے جو ایسے طریقے سے حاصل کیا گیا ہو جس کو اللہ تعالی نے مباح قرار نہیں دیا اور باطل کی بہت سی صورتیں ہیں کبھی تو یہ کسی کا مال چھین کر اور لوٹ مار کی شکل میں ہوتا ہے اور کبھی جوئے وغیرہ اور گانے بجانے والوں کی کمائی اور کبھی رشوت اور خیانت کی صورت میں ہوتا ہے وغیرہ۔ [21]"

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [22]

"اے ایمان لانے والو، ان اہل کتاب کے اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔"

---

[20] النجم: ۳۹

[21] محی السنہ، الحسین بن مسعود، **معالم التنزیل**، (دار طیبہ، ۱۴۱۷ھ، ۱: ۲۱۰

[22] التوبۃ: ۳۴

الغرض قرآن کریم نے باطل کی جامع تعبیر اختیار کی ہے جس میں ناحق مال کی جملہ صورتیں آجاتی ہیں جن سے بچنا شرعا مطلوب ہے۔

اس لیے مال ودولت کے حصول کی ہر وہ صورت جو شریعت کے بتائے طریقوں کے خلاف ہو وہ مال ناحق اور باطل ہے۔

❷ سودی معاملات پر پابندی:

قران کریم میں سود کو حرام قرار دیا گیاہے بڑے واضح انداز میں فرمان الہٰی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ[23]

"جو لوگ کھاتے ہیں سود وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جیسے کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان لپٹ کر مخبوط بنادے، یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ بیع تو سود ہی کی طرح سے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا، سو جس کے پاس آگئی نصیحت اس کے رب کی طرف سے پھر وہ باز آگیا تو اس کے لیے وہ ہے جو گزر چکا، اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے، اور جو شخص پھر عود کرے سو یہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

اس لیے کہ سودی معاملات میں جو بھی شکل ہو وہ ظلم سے خالی نہیں ہے اس لیے سودی معاملات اور اس کے متعلقات سے منع کیا گیا ہے۔

❸ ارتکاز واکتناز کی ممانعت:

مال ودولت کو جمع کر کے رکھنا اور بوقت ضرورت غربا اور مستحقین پر خرچ نہ کرنا اور زکوۃ وغیرہ کی ادائیگی سے خود کو روکنا گناہ ہے جس پر وعید بیان ہوئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ[24]

"اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر کے رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔"

---

[23] البقرہ:۲۸۵

[24] التوبۃ:۳۴

امام رازیؒ (م-606ھ) لکھتے ہیں کہ:

"جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد زکوۃ کی ادائیگی نہ کرنے والے ہیں۔"[25]

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۔الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۔يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ۔كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ[26]

"بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لیے جو عیب نکالنے والا ہو، طعنہ دینے والا ہو، جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا، جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا، ہرگز نہیں! اس کو تو ایسی جگہ میں پھینکا جائے گا جو چوراچورا کرنے والی ہے۔"

اس آیت کریمہ میں مال کے ارتکاز اور اکتناز کرنے والے شخص کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ (م-1976ء) لکھتے ہیں:

"اس سے مراد مال کی وہ حرص اور محبت ہے جس کی وجہ سے اسے بار بار گنتار ہتا ہے چونکہ دوسری آیات وروایات اس پر شاہد ہیں کہ مطلقا مال جمع کرنا کوئی حرام وگناہ نہیں اس لیے یہاں بھی مراد وہ جمع کرنا ہے جس میں حقوق واجبہ ادانہ کیے گئے ہوں یا فخر وتفاخر مقصود ہو یا اس کی محبت میں منہمک ہو کر دین کی ضروریات سے غفلت ہو۔"[27]

اگر مال کا ارتکار اور اکتناز ہو ضرورت مندوں پر خرچ نہ کیا جائے تو اس سے معاشی عدل وتوازن برقرار نہیں رہے گا محتاج اور ضرورت مند لوگ اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مشکلات کا شکار ہو جائیں گے اسلام نے جہاں ہر شخص کو کسب حلال اور محنت کی تلقین کی تاکہ وہ دوسروں کا محتاج نہ ہو تو وہیں اہل ثروت کو اس بات کی بھی ترغیب دی کہ معاشرہ کے مستحق لوگوں کی مالی امداد کریں اس لیے کہ ایک شخص محنت ومزدوری کے باوجود ہو سکتا ہے اتنی کمائی نہ کر سکے جو اس کی بنیادی ضروریات کے لیے کافی ہو۔

---

[25] الرازی، فخر الدین، محمد بن عمر، **مفاتیح الغیب**، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ)، ۱۶: ۳۵

[26] الھمزہ: ۱۔۴

[27] مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**، (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۰۸ء)، ۸: ۸۱۷

❹ اسراف وبخل کی ممانعت:

مال ودولت کے خرچ کرنے میں اسراف کرنایااس قدر ہاتھ کو روکنا کہ نوبت بخل تک چلی جائے یہ شرعا مذموم ہے جس کی ممانعت ہے اس لیے اسراف وبخل سے بچتے ہوئے راہ خدا میں کرنا مطلوب اور باعث اجر ہے فرمان ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا[28]

"اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر فرما گیا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا[29]

"اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل ہی کھول دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو کہ) ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔"

ان نصوص میں فضول خرچی اور غرباء کی مدد سے ہاتھ کھینچے سے روکا جارہا ہے جس کے پیچھے معاشی عدل کی روح ہی کار فرماہے۔ قران کریم کے کچھ احکامات اور اقدامات ایجابی ہیں۔

❺ ناپ وتول میں عدل:

خرید وفروخت کے وقت پوری شئ کا دینا اور وصول کرنا بھی معاشی عدل کے لیے ناگزیر ہے اور اگر لینے ودینے کے پیمانے میں فرق ہو تو یہ باعث نزاع ہے اس لیے قرآن کریم میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ اور عدل وانصاف سے تولنے اور وصول کرنے کا حکم ہے۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو جو نصیحت کی تھی وہ قرآن کریم میں محفوظ ہے:

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ[30]

"اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول پورا پورا کیا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو۔"

---

[28] الفرقا:٦٧

[29] الاسراء:١٧

[30] ھود:٨٥

اشیاء کے تبادلے اور لین دین کے وقت کمی کرنا اور سودے کے مطابق پورا وزن نہ کرنا باعث ہلاکت ہے۔ چنانچہ سورۃ المطففین کے آغاز میں بھی اس عمل کو تباہی قرار دیا گیا ہے۔[31] ایک اور جگہ فرمایا گیا:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ[32]

"ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔"

مذکورہ نصوص میں ناپ وتول کے پیمانوں کے صحیح استعمال پر زور دیا گیا ہے۔"

❻ معاشی معاملات کو تحریر کرنا:

معاشی معاملات اور لین دین کے وقت اس کو پختہ شکل دینے اور بوقت نزاع تصفیہ کے لیے تحریر وکتابت کی نہایت اہمیت ہے جس کی افادیت کا کوئی منکر نہیں ہے قرآن کریم نے اس بارے میں بھی احکامات دیے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ[33]

"اے ایمان والو! جب تم مقررہ مدت تک ادھار لینے دینے کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور چاہیے کہ جو شخص تمہارے درمیان لکھنے والا ہو وہ انصاف کے ساتھ لکھے، اور کوئی لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے۔ اسے چاہیئے کہ لکھ دے۔"

اور لکھوانے والے کو بھی مخاطب کر کے فرمایا گیا:

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَـيْـــًٔا[34]

"اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور اس میں کچھ کم کر کے نہ لکھائے۔"

اور اگر تحریر وکتابت کرانے والا ذہنی طور پر اس قابل نہیں کہ معاملہ کو صحیح طریقے سے بیان کر کے لکھوا سکے تو اس کے ولی اور سرپرست کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اس تحریر میں عدل سے کام لے چنانچہ فرمان ربانی ہے:

---

[31] المطففین: ۱۔۳

[32] الانعام: ۱۵۲

[33] البقرۃ: ۲۸۲

[34] ایضاً

فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ[35]

"جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوائے۔"

مذکورہ بالا نصوص میں بیع وشراء کے وقت عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم دیا گیا اور تحریر وکتابت میں اس امر کا پابند کرنا درحقیقت معاشی عدل کے فضا قائم کرنا ہے۔

❼ گردش دولت کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات میں ایسی اشیاء جن کے بغیر کسی انسان کا گزار نہیں ہے اس میں کسی انسان کو کچھ اختیار نہیں دیا مثلاً سورج، چاند کی روشنی، بہار وخزاں کی رنگینیاں، زمین پر چلنا اور ہوا سے آکسیجن حاصل کرنا وغیرہ تاکہ ہر انسان ان سے فائدہ اٹھاسکے اسی طرح مال ودولت پر اگر صرف چند خاندانوں کی اجارہ داری قائم ہو جائے اور غریب طبقہ، مفلوک الحالی اور غربت کی چکی میں پس کر بنیادی ضروریات زندگی بھی پورا نہ کرسکے اس سے منع کیا گیا ہے اس لیے معاشی عدل کے نفاذ کے لیے ایک بلیغ جملہ میں اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ مال ودولت کی گردش معاشرہ کے تمام طبقات تک ہونی چاہیے چنانچہ فرمایا:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ[36]

"تاکہ وہ مال تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔"

چنانچہ اس سلسلہ میں اسلام نے کچھ اقدامات وجوبی درجہ میں کیے جن پر عمل کرنا لازمی ہے مثلاً زکوۃ وعشر کی ادائیگی، وراثت، وصیت، مالی کفارے، فطرانہ، قربانی جن کے لیے فقراء ومساکین سمیت دیگر ضرورت کے مصارف بیان کر دیے۔ اور کچھ کے لیے دفع مصائب اور رفع بلیات کی بشارتیں اور نویدیں بیان کرکے لوگوں کو ترغیب دلائی کہ وہ غربا میں صدقہ، وخیرات کریں ان تمام اقدامات کا مقصود یہی ہے کہ معاشرتی زندگی میں دولت کی گردش رہے اور ہر طبقہ اس سے مستفید ہو۔

معاشی امور کے بارے میں قرآن کریم کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ تمام معاملات میں عدل وانصاف سے کام لیا جائے۔

---

[35] البقرۃ:۲۸۲

[36] الحشر:۷

❽ حق معیشت میں مساوات:

اسلام حق معیشت میں مساوات کا قائل ہے۔ اسباب معیشت میں ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا مساوی حق فراہم کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭقَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ[37]

"اور بلاشبہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی، اور ہم نے تمہارے لیے اس میں زندگی کا سامان پیدا کیا تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔"

معلوم ہوا کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے کو معاشی میدان میں کام کرنے سے روکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات انسانوں کے لیے بنائی ہے جس میں ہر شخص اپنی اہلیت واستعداد کے مطابق وسائل اختیار کر کے کمائی کر سکتا ہے۔

معاشی عدل احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں:

احادیث مبارکہ میں بھی معاشی معاملات کو عدل وانصاف کے ساتھ حل کرنے پر زور دیا گیا اور ایسی ہدایات کیں جن کی بدولت معاشی امور میں اقتصاد و اعتدال کارفرما رہے گا۔ جن کو اہم نکات کی صورت میں ذکر کیا جاتا ہے۔

❶ بیوع باطلہ پر پابندی:

چنانچہ وہ بیع جس میں غرر اور ضرر ہو حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے جس کی بہت سی صورتیں احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے:

نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْحَصَاةِ، وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ[38]

"نبی کریم ﷺ نے کنکری کی بیع اور غرر کی بیع سے منع فرمایا ہے۔"

---

[37] الاعراف:۱۰

[38] مسلم بن الحجاج، الصحیح، (بیروت، داراحیاء التراث العربی، س ن)، ۳: ۱۱۵۳

کنکری کی بیع کی یہ صورت تھی کہ بائع مشتری سے کہے میں نے وہاں تک تمہیں زمین بیچی جہاں تک تمہاری پھینکی ہوئی کنکری پہنچے یہ صورت مجہول ہے اس لیے کنکری پھینکنے میں ہر شخص کی قوت وطاقت مختلف ہے یا مشتری کہے کہ میں کنکری پھینکوں گا جس چیز کو مثلاً کپڑے کو لگ گئی تو وہ مبیع ہو گا اس صورت میں بھی جہالت ہے۔[39] اور غرر سے مراد دھوکہ ہے اور کتاب البیوع کے اصول میں یہ اہم اصول ہے جس پر بہتی سی صورتیں متفرع ہوتی ہیں مثلاً معدوم اور مجہول شئی کی بیع یا بھاگے ہوئے غلام کی فروخت، یا ایسی شئی کو بیچنا جس کو سپرد کرنے پر بائع اختیار نہ ہو اور نہ ہی اس کی ملکیت تام ہو، مثلاً تھنوں کے اندر موجود دودھ کی بیع یا ایسی مچھلیوں کی بیع جو کسی تالاب میں نہ ہوں بلکہ بہت زیادہ پانی میں ہوں جن کو پکڑنا دشوار ہو، جانور کے پیٹ میں موجود بچہ کی پیدائش سے قبل فروخت وغیرہ ان تمام صورتوں میں غرر پایا جاتا ہے اس لیے اس قسم کی اور ان اشیاء کی بیع باطل ہے۔[40]

اسی طرح ملاوٹ کرکے اشیاء کا وزن بڑھا دینا جس کا مقصد مال کا حصول ہے فرمان رسول ﷺ ہے:

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا[41]

"جس شخص نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔"

ایسے ہی جھوٹی قسمیں کھا کر مال بیچنے پر وعید آئی ہے۔"اللہ تعالی روز قیامت ایسے شخص کے ساتھ گفتگو فرمائے گا اور نہ اس کی طرف دیکھے گا جس نے کسی سامان کے بارے میں گاہک کے سامنے جھوٹی قسم کھائی کہ اسے اس چیز کی زیادہ قیمت مل رہی تھی۔[42] رشوت خوری سے منع کیا گیا فرمان نبوی ﷺ ہے:

لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي[43]

"رشوت لینے والے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔"

---

[39] قاضی عیاض، **اکمال المعلم بفوائد مسلم**، (مصر: دارالوفاء، ۱۴۱۹ھ)، ۵: ۱۳۴

[40] النووی، یحیی بن شرف، **المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج**، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۳۹۲ھ)، ۱۰: ۱۵۶

[41] مسلم، الامام، **الصحیح**، ۱: ۹۹، حدیث: ۱۰۱

[42] البخاری، **الصحیح**، ۳: ۱۱۲، حدیث: ۲۳۶۹

[43] ابن ماجہ، محمد بن یزید، **السنن**، (داراحیاء الکتب العربیہ س ن)، ۲: ۷۷۵

اسی طرح منشیات اور نشہ آور چیزوں کی خرید و فروخت پر پابندی لگائی گئی ہے۔[44] کیونکہ ان ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کرنا جہاں معاشرتی زندگی کے لیے نقصان دہ ہے وہیں اس سے طبقاتی کشمکش میں اضافہ ہو جائے گا جس سے معاشی میدان میں اعتدال و توازن نہ قائم ہو گا۔

❷ احتکار کی ممانعت:

احتکار کہتے ہیں بنیادی ضرورت کی اشیاء کا اس طرح ذخیرہ کرنا کہ جب ان کی قیمتیں اس قدر بڑھ جائیں کہ لوگوں کو خریدنے پر تکلیف ہو اس وقت مارکیٹ میں چیز کو لانا کہ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو۔ حدیث میں ہے:

لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ[45]

"ذخیر اندوزی کرنے والا گنہگار ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

إِنَّ الْمُحْتَكِرَ مَلْعُونٌ[46]

"ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ إِذَا رَخَّصَ اللهُ الْأَسْعَارَ حَزِنَ، وَإِذَا غَلَّى فَرِحَ[47]

"ذخیرہ اندوزی کرنے والا شخص برا ہے اللہ تعالی جب اشیاء کی قیمتیں کم کرتا ہے تو وہ غمگین ہوتا ہے اور جب قیمتیں بڑھاتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔"

البتہ احتکار کی ایسی صورت جس میں چیز مارکیٹ میں موجود ہے اور جب بازار کا ریٹ خود بخود بڑھ جائے پھر شئ کو گودام سے باہر لانا یہ اس میں داخل نہیں ہے احتکار کی وہ صورت منع ہے جس میں لوگوں کو شئ کی ضرورت ہو مگر کچھ لوگ اس چیز کو ذخیرہ کیے ہوئے ہیں کہ جب لوگ بالکل مجبور ہو جائیں گے اور پھر من مانی قیمت وصول کی جائے یہ منع ہے اس لیے کہ اس میں دولت صرف محدود حلقوں تک رہے گی اور عام طبقہ تشویش و تکلیف میں مبتلا ہو گا۔

---

[44] ابو یوسف، القاضی، یعقوب بن ابراہیم، **الآثار**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، س ن)، ۱: ۲۲۸

[45] مسلم، الامام، **الصحیح**، ۳: ۱۲۲۸، حدیث: ۱۶۰۵

[46] الصنعانی، عبد الرزاق، **المصنف**، (بیروت: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ)، ۸: ۲۰۴

[47] البیہقی، احمد بن الحسین، **شعب الایمان**، (الریاض: مکتبۃ الرشد، ۱۴۲۳ھ)، ۱۳: ۵۱۱

❸ معاشی امور میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم:

چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ[48]

"جس شخص نے میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہیں ہو گا۔"

اس میں بڑی اہم بات بیان ہوئی ہے کہ نہ تو خرچ کرنے میں اسراف ہو اور نہ ہی اس قدر بخل کرے کہ اپنے اہل وعیال کی جائز ضروریات کو پورا نہ کرے عدل سے کام لے تو ایسا شخص کبھی تنگدست نہیں ہو گا۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

الِاقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ[49]

"خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنا معیشت کا نصف سرمایہ ہے۔"

الغرض احادیث مبارکہ میں معاشی معاملات سمیت زندگی کے تمام گوشوں اور شعبوں کے بارے میں اعتدال وتوازن سے کام لینے کا حکم ملتاہے۔

❹ ضرورت سے زائد مال کا غرباء پر خرچ کرنے کی ترغیب:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى رَاحِلَةٍ لَهُ، قَالَ: --- أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ[50]

"ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو ایک شخص اپنی سواری پر آیا اور دائیں بائیں گھورنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس زائد سواری ہو تو وہ اسے دے دے اور جس کے پاس بچا ہوا زادراہ ہو تو وہ اس آدمی کو دے دے کہ جس کے پاس زادراہ نہ ہو پھر آپ ﷺ علیہ وسلم نے مال کی قسموں کو ذکر فرمایا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کو اپنے زائد مال میں حق نہیں ہے۔"

---

[48] ابن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد، ابو بکر، **المسند**، (الریاض: دارالوطن، ۱۹۹۷ء)، ۱: ۲۶۰

[49] الطبرانی، سلیمان بن احمد، ابو القاسم، **المعجم الاوسط**، (القاہرہ: دار الحرمین، س ن)، ۷: ۲۵

[50] مسلم بن الحجاج، ابو الحسن، **الصحیح**، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، س ن)، ۳: ۱۳۵۴

اس حدیث میں آپ ﷺ نے ضروریات سے زائد مال کو دوسروں پر خرچ کرنے کو تفصیلی بیان کیا کہ اگر سواری، سفر خرچ سمیت دیگر اموال کا ذکر کیا کہ ان میں سے اضافی ہو تو اسے خرچ کیا جائے ظاہر ہے اس کا مقصد جہاں دوسروں کے ساتھ خیر خواہی ہے وہاں معاشی عدل کا بھی قیام ہے۔ کہ ایسا نہ ہو کہ ایک طرف تو مال ودولت کی بھرمار ہو اور اضافی اشیاء کو سنبھالنا مشکل ہو اور دوسری طرف کوئی شخص بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے نہائیت محتاجی کی زندگی بسر کر رہا ہو۔

❺ اجرت کے حوالہ سے خصوصی احکام:

معاشرتی زندگی میں انسان اپنے کام وکاج کی تکمیل کے لیے دوسروں کا محتاج ہوتا ہے اور ضرورت مند شخص بھی اپنی خدمات کے عوض مالی معاوضہ کا طلب گارہ ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص دوسروں سے کام لے کر ان کا معاوضہ نہ دے یا تاخیر کرے تو یہ بھی معاشی عدل کے خلاف ہے مزدوروں کے حقوق کے حوالہ سے چند فرامین نبوی ﷺ کو ذکر کیا جاتا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ، قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ[51]

"مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل دے دو۔"

اسی طرح ٹال مٹول سے منع کیا گیاہے بہت سے لوگ مزدوروں سے کام لے کر معاوضہ نہیں دیتے یا ٹالتے رہتے ہیں جو کہ ان کے لیے باعث تکلیف ہے چنانچہ اس سے منع کیا گیاہے فرمان نبوی ﷺ ہے :

مَطْلُ الغَنِيِّ ظُلْمٌ[52]

"غنی کا ٹال مٹول سے کام لینا ظلم ہے۔"

لہذا جیسے ہی مزدور اپنی ذمہ داری ادا کر دے تو اسے فوری معاوضہ دے کر روانہ کر دیا جائے نہ کہ اس کو بلاوجہ انتظار کرایا جائے یا اگلے دن آنے کا کہہ کر اس کو تشویش میں مبتلا کر دیا جائے۔ کسی کو کام دینے سے پہلے

---

[51] ابن ماجہ، محمد بن یزید، **السنن**، (داراحیاء الکتب العربیہ، س ن)، ۲: ۸۱۷

[52] البخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، (دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ)، ۳: ۹۴

معاوضہ اور اجرت طے کرنی کی ہدایت دی گئی تاکہ بعد میں نزاع اور جھگڑا نہ ہو اس لیے کہ پہلے باخبر کرنے کی صورت میں اس کے پاس کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہو گا۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

مَنِ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا، فَلْيُعْلِمْهُ أَجْرَهُ[53]

"جو شخص کسی مزدور کو اجرت پر لے تو وہ اسے پہلے ہی معاوضہ سے باخبر کردے۔"

اسی طرح کسی بھی شخص کو اجرت اور مزدوری پر رکھتے وقت اچھی طرح دیکھ لیا جائے کہ یہ شخص اس کام کو کر بھی سکتا ہے اس کی طاقت اور ہمت سے باہر تو نہیں ہے ایسی صورت حال میں اس کو پابند نہ کیا جائے اور اگر اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو تو پھر اس کی اس کام میں مدد کی جائے۔ چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

وَلاَ تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ[54]

"اور نہ ان کو اس کام کا کہو جو ان پر شاق ہو اور اگر ایسے کام کی ان کو تکلیف دو تو خود بھی ان کی مدد کرو۔"

اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں جن میں مزدوروں کا تحفظ، اور ان کے ساتھ خیر خواہی اور مالی تعاون کا ذکر ملتا ہے اسلام نے جس قدر مزدوروں کے حقوق پر بات کی ہے اور قابل عمل احکامات دیے ہیں دنیا میں اس کی نظیر نہیں ہے۔ جو سب معاشی عدل کے قیام اور نفاذ کے لیے اٹھائے گئے ہیں۔

ریاستی پابندیاں:

چونکہ قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالی، رسول خدا ﷺ کے بعد اولوالامر (حاکم وقت) کی اطاعت کا بھی حکم ہے اس لیے اگر معاشی طور پر ناہمواری اس قدر بڑھ جائے جس سے لوگوں کا نقصان ہو تو حاکم وقت کو بھی مداخلت کرنے کی اجازت ہے مثلاً اگر کوئی شخص بازار میں اشیاء کو فروخت کرتے وقت اتنا کم نفع لے جس سے دوسرے تاجروں کا جائز نفع متاثر ہوتا ہو تو حاکم وقت اور قاضی اس پر بھی مداخلت کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو کم نرخ پر انگور بیچتے ہوئے پایا تو فرمایا:

إِمَّا أَنْ تَزِيدَ فِي السِّعْرِ، وَإِمَّا أَنْ تَرْفَعَ مِنْ سُوقِنَا[55]

"یا تو تم نرخ بڑھا دو یا ہمارے بازار سے اٹھ جاؤ۔"

---

[53] ابن ابی شیبہ، ابو بکر، **المصنف**، (الریاض: مکتبہ الرشد، ۱۴۰۹ھ)، ۴: ۳۶۶

[54] البخاری، **الجامع الصحیح**، ۱: ۱۵

[55] مالک بن انس، **الموطا**، (ابوظبی: موسسہ زاید بن سلطان، ۱۴۲۵ھ)، ۴: ۹۴۲

چنانچہ اہل علم نے اس حدیث سے مستنبط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر کوئی بازار کے طے شدہ یعنی مروجہ قیمت سے کم پر فروخت کرے تو اسے اس بات کا پابند کیا جا سکتا کہ بازار کے ریٹ کے مطابق بیع کرے وگرنہ بازار میں ان تاجروں کے ساتھ نہ بیٹھے۔[56] کیونکہ اگر اس طرح تجارت کو عام قرار دیدیا جائے تو معاشی عدل بر قرار نہیں رہ سکے گا۔

اور اسی طرح اگر حکومت بظاہر عوام کے مفادات کے لیے پالیسیاں بنائے مگر اس میں خاص لوگوں کو فائدہ ہو تو عدالت اس میں دخل اندازی کر سکتی ہے کہ اس میں عام آدمی کا کیا بھلا اور فائدہ ہے اس لیے کہ قیام حکومت کا مقصد صرف مخصوص لوگوں کو نوازنا نہیں ہوتا بلکہ اس میں پورے ملک اور تمام لوگوں کے مفادات کو ملحوظ رکھتا ہوتا ہے جیسا کہ مشہور فقہی قاعدہ ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م-911ھ) لکھتے ہیں:

تصرف الامام على الرعيه منوط بالمصلحة[57]

"حکومت کے عوام پر اختیارات مصلحت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔"

اگر حکومت وقت ان عوامی مصالح اور مفادات کو پس پشت ڈال کر اپنی مرضی کرتی ہے یا مخصوص لوگوں کو نوازنا مقصود ہے تو عدالت کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے مفادات کا تحفظ کرتے ہوئے اس میں مداخلت کرے۔

اسلامی نظام عدل میں اجتماعی مفاد کو انفرادی مفاد پر ترجیح حاصل ہے۔ اور قاضی اگر کسی معاملہ میں فیصلہ کر دے بعد میں اسے علم ہو کہ اس میں اجتماعیت کو نقصان ہو سکتا ہے تو وہ فیصلہ واپس بھی لے سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ایک شخص کا واقعہ آتا ہے کہ اس نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں نمک کی کان جاگیر کے طور پر دیدی جائے آپ ﷺ نے انہیں کان عطا کر دی جب وہ جانے لگے تو اس پر ایک شخص نے عرض کیا:

أَتَدْرِي مَا قَطَعْتَ لَهُ؟ إِنَّمَا قَطَعْتَ لَهُ المَاءَ العِدَّ[58]

"آپ جانتے ہیں آپ نے اسے جاگیر میں کیا دیا ہے؟ آپ نے تو اسے جاگیر میں نمک کا تیار پانی دیدیا ہے۔"

راوی کہتے ہیں اس پر آپ ﷺ نے ان سے وہ نمک کی کان واپس لے لی۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کا خیال تھا انہیں نمک بنانے میں محنت کرنی پڑے گی مگر جب حاضرین میں سے کسی شخص نے اس طرف توجہ دلائی کہ

---

[56] القنازعی، عبدالرحمن بن مروان، **تفسیر الموطا**، (قطر: دارالنوادر، ۱۴۲۹ھ)، ۱: ۴۶۰

[57] السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمن بن ابی بکر، **الاشباہ والنظائر**، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ)، ۱: ۱۲۱

[58] الترمذی، **السنن**، ۳: ۶۵۶، حدیث: ۱۳۸۰

اس میں تو نمک تیار ہے بس نکالنے کی دیر ہے اور اس میں جمیع لوگوں کا بھی فائدہ ہے کہ اپنی اپنی ضرورت کے مطابق وہ اس سے نمک حاصل کر لیں گے تو آپ ﷺ نے اسے واپس لے لیا۔

اہل علم نے لکھا ہے کہ وہ کانیں اور جاگیریں جس میں لوگوں کے مفادات مشترکہ ہوں اور کوئی خاص محنت و تگ و دو نہ کرنی پڑتی ہو تو اسے فرد واحد کی ملکیت میں نہیں دیا جا سکتا بلکہ اسے جمیع کی ملکیت سمجھا جائے گا تا کہ سب اس سے فائدہ اٹھائیں اور اسی طرح اگر حاکم و قاضی کسی شئی کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں اور پھر بعد میں انہیں علم ہو کہ یہ فیصلہ درست نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس میں حق بات ہے تو وہ پہلے سے رجوع کر لیں اور دوسرا فیصلہ کریں۔[59]

خلاصہ بحث:

اسلام کا پیش کردہ معاشی نظام عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے جس میں ہر طبقہ کے لوگوں کے مفادات مد نظر رکھے گئے ہیں ان میں حلال و حرام کے جو فرق ملحوظ رکھے گئے ہیں اس میں بھی معاشرتی زندگی کا استحکام مقصود ہے اس لیے کہ جس معاشرہ کا معاشی نظام کمزور ہو وہ اپنی بقاء کی بھی جنگ نہیں لڑ سکتا ہے آج معاشی میدان میں جو حد سے زیادہ طبقاتی اونچ نیچ ہے اس کی وجہ اسلامی معاشی نظام سے روگردانی ہے وگرنہ جزوی فرق کا تو شریعت نے اعتبار کیا ہے جو کہ فضل الہی کا مظہر ہے تاہم من حیث المجموع عوام کا معاشی طور پر مضبوط ہونا اسی اسلامی معاشی نظام سے مربوط ہے جسے اپنانے اور اختیار کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اسلام نے معاشی عدل کے قیام اور نفاذ کے لیے جتنے بھی ایجابی اور سلبی اقدامات کیے ہیں ان پر عمل پیرا ہونے میں ہی ان مسائل کا حل موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

---

[59] مظہر الدین الزیدانی، الحسین بن محمود، **المفاتیح فی شرح المصابیح**، (الکویت: دار النوادر، ۱۴۳۳ھ)، ۳: ۵۰۸